رسائل و مسائل

"پردہ" پر تنقیدی نظر

(از جناب مولانا امین احسن صاحب اصلاحی)

ادھر ترجمان القرآن کے کئی نمبروں میں، پردہ پر جو عالمانہ مقالہ آپنے لکھا ہے، اس پر آپکو مبارکباد دیتا ہوں۔ جو لوگ غرور جہل کی وجہ سے اس بارہ میں اسلامی قوانین و احکام کا مضحکہ اڑا رہے تھے، اُن پر آپنے تمام علمائے اسلام کی طرف سے حجت تمام کر دی، جسکے لیے آپ تمام مذہبی حمیت رکھنے والے مسلمانوں کی طرف سے شکریہ کے مستحق ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے۔

مضمون کی جو قسط ترجمان القرآن جلد ۱۶ - عدد ۲ میں شائع ہوئی ہے وہ میرے سامنے ہے۔ اس میں "پردہ کے احکام" کے عنوان سے جو فصل آپنے لکھی ہے، اسکو میں نے خاص اہتمام سے پڑھا میرے خیال میں یہ فصل کتاب کی اصلی فصل ہے اور خلاصۂ مباحث کی حیثیت رکھتی ہے۔ مجکو افسوس ہے کہ میں اس فصل سے مطمئن نہیں ہوا۔ اور مجھے اندیشہ ہے کہ شاید میری طرح اور بہت سے لوگ بھی اس میں اضطراب محسوس کرینگے۔ اس لیے میں نے چاہا کہ آپ کو اس کی طرف توجہ دلاؤں تاکہ مضمون کو بصورت کتاب چھاپتے وقت، اگر آپ ضرورت محسوس کریں، اس بحث کو اور زیادہ صاف کر دیں اور اگر اس عریضہ کو رسالہ میں قابل بحث و نظر خیال فرمائیں تو مجکو اس پر بھی کوئی اعتراض نہ ہوگا۔

آپنے اس فصل میں سورۂ نور اور سورۂ احزاب کی آیات متعلق پردہ نقل کرنے کے بعد ان کے نتائج سے بحث کی ہے اور آخر میں الّا ما ظہر منہا کی تاویل میں علماء و فقہا کے اختلافات نقل

کرنے کے بعد آپ لکھتے ہیں :-

"الا ما ظهر منها کو ان میں سے کسی چیز کے ساتھ بھی مقید نہ کیجیے - ایک مومن عورت جو خدا اور رسول کے احکام کی سچے دل سے پابند رہنا چاہتی ہے اور جسکو فتنے میں مبتلا ہونا منظور نہیں ہے وہ خود اپنے حالات و ضروریات کے لحاظ سے فیصلہ کر سکتی ہے کہ چہرہ اور ہاتھ کھولے یا نہیں، کب کھولے اور کب نہ کھولے، کس حد تک کھولے اور کس حد تک چھپائے - اس باب میں قطعی احکام نہ شارع نے دیے ہیں، نہ اختلاف احوال و ضروریات کو دیکھتے ہوئے یہ مقتضائے حکمت ہے کہ قطعی احکام وضع کیے جائیں - جو عورت اپنی حاجات کے لیے باہر جانے اور کام کاج کرنے پر مجبور ہے اسکو کسی وقت ہاتھ بھی کھولنے کی ضرورت پیش آئیگی اور چہرہ بھی - ایسی عورت کے لیے بلحاظ ضرورت اجازت ہے اور جس عورت کا حال یہ نہیں ہے اس کے لیے بلا ضرورت قصداً کھولنا درست نہیں"

(ترجمان القرآن ص ۱۴۰)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ الا ما ظهر منها کے استثناء میں چہرہ کو داخل سمجھتے ہیں اور ضرورت کے وقت چہرہ کھولنے اور نہ کھولنے اور اوقات ضرورت کی تعیین اور کھولنے کی مقدار سے متعلق شارع نے، آپکے خیال میں، قطعی احکام نہیں دیے ہیں - اور نہ حالات و ضروریات کے اختلاف کو دیکھتے ہوئے اس بارہ میں قطعی احکام کا وضع کرنا، آپکے نزدیک مقتضائے حکمت تھا - آپکے نزدیک اس باب میں اصلی قاضی و مفتی خود مومنہ عورت کی صواب دید ہے - وہ اپنے حالات و ضروریات کے لحاظ سے فیصلہ کر سکتی ہے کہ چہرہ اور ہاتھ کھولے یا نہیں، کب کھولے اور کب نہ کھولے، کس حد تک کھولے اور کس حد تک چھپائے -

اس کے بعد آپ "حالات سے قطع نظر کر کے" نفس چہرہ کا حکم بیان کرتے ہیں اور سورہ احزاب کی آیت یدنین علیهن الآیہ کے احکام بیان کرتے ہوئے چہرہ کی فتنہ سامانیوں کا ذکر ان لفظوں

میں فرماتے ہیں :-

"جو شخص اسلامی قانون کے مقاصد کو سمجھتا ہے اور اسکے ساتھ کچھ عقل عام بھی رکھتا ہے اس کے لیے یہ سمجھنا کچھ بھی مشکل نہیں کہ عورتوں کو کھلے چہروں کے ساتھ باہر پھرنے کی عام اجازت دینا اُن مقاصد کے بالکل خلاف ہے جنکو اسلام اسقدر اہمیت دے رہا ہے - ایک انسان کو دوسرے انسان کی جو چیز سب سے زیادہ متاثر کرتی ہے وہ اسکا چہرہ ہی تو ہے - انسان کی خلقی و پیدائشی زینت یا دوسرے الفاظ میں انسانی حسن کا سب سے بڑا مظہر چہرہ ہے - نگاہوں کو سب سے زیادہ وہی کھینچتا ہے - جذبات کو سب سے زیادہ وہی اپیل کرتا ہے - صنفی جذب وانجذاب کا سب سے زیادہ قوی ایجنٹ وہی ہے .... اگر اصل مقصد اسی طوفان کو روکنا ہو تو اس سے زیادہ خلاف حکمت اور کیابات ہوسکتی ہے کہ اس کو روکنے کے لیے چھوٹے چھوٹے دروازوں پر تو کنڈیاں چڑھائی جائیں اور سب سے بڑے دروازے کو چوپٹ کھلا چھوڑ دیا جائے" (ترجمان القرآن)

ان دونوں عبارتوں پر غور فرمائیے کہ ایک طالبعلم ان میں کیسے توازن پیدا کرسکیگا! ایک طرف تو آپ کے نزدیک چہرہ کی یہ اہمیت ہے کہ سارے فتنے گویا اسی کے دم قدم سے ہیں اور آپ بجا طور پر اسکو بالکل خلاف حکمت سمجھتے ہیں کہ "فتنہ کے چھوٹے چھوٹے دروازوں پر تو کنڈیاں چڑھائی جائیں اور اس سب سے بڑے دروازہ کو چوپٹ کھلا چھوڑ دیا جائے" دوسری طرف آپ فرماتے ہیں کہ یہ سوال کہ چہرہ کب کھولا جائے ، کتنا کھولا جائے ، کھولا جائے یا نہ کھولا جائے ، شارع کے حدود حکم قضا سے باہر ہے - ان کے متعلق فیصلہ کرنے والی ذات خود عورت ہے - اگر شارع اسکے متعلق قوانین وضع کرتا تو یہ بات مقتضائے حکمت کے خلاف ہوتی - یہ دونوں باتیں ایک ساتھ کسی طرح میری سمجھ میں نہیں آئیں - چہرہ اگر اس درجہ اہم چیز ہے تو اسکے متعلق صاف اور واضح ، محدود و متعین احکام دین میں ہونے چاہییں - اس کے کھولنے کے اوقات معلوم ہونے چاہییں - ایسے اہم مسئلہ کا انحصار صرف عورت کی ذات پر درانحالیکہ اس معاملہ میں عورت کی دیانت داری ہمیشہ مشتبہ رہیگی اور ویسے بھی شریعت نے اس قسم کے معاملات میں

کبھی عورت کی قوت فیصلہ پر اعتماد نہیں کیا ہے) کسی طرح بھی قرین حکمت نہیں ہے - اور اگر سچ مچ معاملے کی نوعیت یہی ہے جو آپ کے مضمون سے معلوم ہوتی ہے تو پردہ کے معاملہ میں زیادہ طوفان اٹھانے کی ضرورت نہیں ہے - ضروریات کا دامن بہت وسیع ہے - آج جو کچھ ہو رہا ہے اور کل جو کچھ ہوگا وہ سب اس کے تحت میں آجائے گا۔[1]

[1] یہ بات اگر کسی غیر فقیہ آدمی نے لکھی ہوتی تو چنداں تعجب نہ ہوتا، مگر فاضل تنقید نگار کے متعلق میرا گمان ہے کہ وہ تفقہ سے کافی بہرہ رکھتے ہیں اسلیے مجھے ان سے یہ اعتراض سن کر فی الواقع سخت تعجب ہوا - انہوں نے اس بات پر غور نہیں فرمایا کہ قانون میں امر و نہی کے احکام ہمیشہ معمولی حالات کیلیے دیے جاتے ہیں اور غیر معمولی حالات کیلیے استثنار کی جو صورت رکھی جاتی ہے وہ عموماً مجمل ہوتی ہے - چونکہ غیر معمولی حالات کا تعلق ایک ایک فرد کی زندگی کے جزوی مواقع سے ہوتا ہے اسلیے تفصیل کیساتھ تمام ممکن جزئیات کو منضبط کرنا اور ہر ایک موقع کے لیے علیحدہ حکم دینا محال ہے - ایسے مواقع پر اس بات کا فیصلہ کہ آیا یہ غیر معمولی موقع ہے یا نہیں، اور اس میں قانون کے استثنار سے فائدہ اٹھانا چاہیے یا نہیں، اور کس حد تک اٹھانا چاہیے، اسکا انحصار زیادہ تر خود اس شخص کی رائے پر ہوتا ہے جو اس حالت میں ہو - اگر وہ نیک نیت آدمی ہے، دل سے قانون کی پابندی کرنا چاہتا ہے، نافرمانی و قانون شکنی کی طرف میلان نہیں رکھتا، اور قانون کی اسپرٹ کو بھی سمجھتا ہو تو وہ صحیح رائے قائم کریگا، اور اگر اسکا یہ حال نہیں ہے تو قانون کے استثنار سے غلط فائدہ اٹھائیگا - مثال کے طور پر قرآن میں کھانے کی بعض چیزوں کو حرام قرار دینے کے بعد فرمایا کہ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ - دیکھیے یہ استثنائی حکم کسقدر مجمل ہے - اضطرار کی تمام ممکن صورتوں کو بیان نہیں کیا گیا - نہ اضطرار کے درجات متعین کیے گئے - نہ یہ بتایا گیا کہ کس قسم کے اور کسقدر اضطرار میں ان چیزوں کا کتنا کتنا استعمال جائز ہوگا - ان ساری تفصیلات کو چھوڑ کر صرف اتنا کہہ دیا گیا کہ "اگر کوئی شخص مجبوری کی حالت میں کچھ کھالے بشرطیکہ اس کے اندر قانون شکنی کی خواہش نہ ہو اور وہ حد سے تجاوز نہ کرے تو اس پر کوئی گناہ نہیں" یہاں فرد مومن کو (جس میں مومنہ عورتیں بھی شامل ہیں) آپ ہی اپنا محتسب بنا کر چھوڑ دیا گیا ہے - اگر وہ باغی نہیں ہے بلکہ سچے دل سے اللہ کا مطیع ہے تو وہ خود ہی یہ فیصلہ کریگا کہ جس حالت میں مبتلا ہوں یہ اضطرار کی حالت ہے یا نہیں، اضطرار ہے تو کس حد تک ہے، اور مجھے اس حالت میں حرام چیز کس حد تک کھانی چاہیے کہ عدوان کا مجرم نہ ہو جاؤں - آپ غالباً یہاں بھی یہی فرمائینگے کہ کھانے پینے کے معاملہ میں تو آدمی کی دیانت ہمیشہ مشتبہ رہی ہے اسکی رائے پر اس معاملہ کو
(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۷۹ پر دیکھیے)

آخر میں آپ نے اس کھٹک کو دور کرنے اور اپنے خیالات کو مربوط کرنے کی جو سعی فرمائی ہے۔ مجھے اس سے بھی اختلاف ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔

"اب آپ سوال کر سکتے ہیں کہ جب ایسا ہے تو اسلام نے حاجات و ضروریات کیلیے چہرہ کھولنے کی اجازت کیوں دی اجیسا کہ تم خود پہلے بیان کر چکے ہو۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اسلام کا قانون کوئی غیر معتدل اور یک رخا قانون نہیں ہے۔ وہ ایک طرف مصالح اخلاقی کا لحاظ کرتا ہے تو دوسری طرف انسانی ضروریات کا بھی لحاظ کرتا ہے۔ اور ان دونوں کے درمیان اس نے غایت درجہ کا تناسب اور توازن قائم کیا ہے۔ وہ اخلاقی فتنوں کا سدباب بھی کرنا چاہتا ہے اور اسکے ساتھ کسی انسان پر ایسی پابندیاں بھی عائد نہیں کرنا چاہتا جنکے باعث وہ اپنی حقیقی ضروریات کو پورا نہ کر سکے۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے عورت کیلیے چہرہ اور ہاتھ کے باب میں ویسے قطعی احکام نہیں دیے جیسے ستر پوشی اور اخفائے زینت کے باب میں دیے ہیں کیونکہ ستر پوشی اور اخفائے زینت سے ضروریات زندگی کو پورا کرنے میں کوئی حرج واقع نہیں ہوتا تھا مگر چہرے اور ہاتھوں کو دائماً چھپائے رہنے سے عورتوں کو اپنی حاجات میں سخت مشکل پیش آسکتی ہے۔ پس عورتوں کے لیے عام قاعدہ یہ مقرر کیا گیا ہے کہ چہرہ پر نقاب یا گھونگھٹ ڈالے رہیں اور اس قاعدہ میں الّا ما ظہر منہا کے استثناء سے یہ آسانی پیدا کر دی گئی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۷۸) چھوڑنا ٹھیک نہیں، اسکے متعلق تو دین میں واضح اور متعین احکام ہونے چاہییں۔ نیز شاید آپ یہ بھی فرمائیں کہ اگر یونہی اضطرار کے بہانے سے وہ سب کچھ کھانے پینے کی اجازت دیدینی تھی جسے حرام کیا گیا ہے تو یہ حرمت و حلت کا طوفان اٹھانے کی ضرورت ہی کیا تھی، مجبوریوں کا دامن تو اسقدر وسیع ہے کہ جو کچھ آدمی کھانا یا پینا چاہے اسکے لیے مجبوری کا بہانہ پیدا کر سکتا ہے۔ لیکن آپ اسکا کیا علاج کرینگے کہ شارع نے قریب قریب اپنے تمام احکام میں یہی روش اختیار کی ہے۔ اس نے یہ شریعت ان لوگوں کے لیے نہیں بنائی ہے جو قانون کو توڑنے کی خواہش رکھتے ہوں اور دائرۂ اطاعت سے نکلنے کیلیے بہانے ڈھونڈتے ہوں۔ ایسے لوگوں کیلیے تو اسکے پاس صرف جہنم کی آگ ہی ہے۔ رہے اسکے احکام تو ان میں اس کا خطاب منافقین کی طرف نہیں بلکہ ان مردوں اور عورتوں کی طرف ہے جنکے اندر خدا کا خوف اور اطاعت کی آمادگی موجود ہو۔ اور ایسے مومنین و مومنات کی دیانت پر وہ نہ صرف اعتماد کرتا ہے بلکہ ان سے امید رکھتا ہے کہ استثنائی صورتوں میں وہ بہانہ طلبی کرنے کے بجائے حقیقی مجبوری کے مواقع پر بھی خدا سے ڈرتے ہوئے پھونک پھونک کر قدم رکھینگے۔ اسی لیے احکام دینے کے ساتھ ان کنتم مومنین اور ان اتقیتن وغیرہ کے الفاظ فرمائے جاتے ہیں۔

اور اسی اعتماد کی بنا پر نبی صلعم نے فرمایا کہ استفت قلبک (اپنے دل سے فتویٰ پوچھ) اور دع ما حاک فی صدرک (جو چیز تیرے

ہے کہ حقیقت میں چہرہ کھولنے کی ضرورت پیش آجائے تو وہ اس کو کھول سکتی ہیں بشرطیکہ نمائش حسن مقصود نہ ہو، بلکہ رفع ضرورت مدنظر ہو۔ پھر دوسری جانب سے فتنہ انگیزی کے جو خطرات تھے ان کا سدباب اس طرح کیا گیا کہ مردوں کو غض بصر کا حکم دیدیا گیا تاکہ اگر کوئی عفت مآب عورت اپنی حاجت کے لیے چہرہ کھولے تو وہ اپنی نظریں نیچی کرلیں اور بیہودگی کیساتھ اسکو گھورنے سے باز رہیں۔" (ترجمان القرآن)

یہ عبارت بار بار پڑھنے کے باوجود سمجھ میں نہیں آئی۔ یہ تسلیم ہے کہ اسلام کا قانون یک رخا اور غیر معتدل نہیں ہے۔ اس نے اخلاقی مصالح اور انسانی ضروریات میں کمال درجہ توازن و تناسب ملحوظ رکھا ہے لیکن اس کا کیا مطلب ہے کہ اس نے عورت کے لیے چہرے اور ہاتھ کے باب میں ویسے قطعی احکام نہیں دیے ہیں جیسے ستر پوشی اور اخفائے زینت کے باب میں دیے ہیں؟ چہرہ کے متعلق جو احکام ہیں انکے زور و قوت میں کوئی ضعف تو نہیں معلوم ہوتا! جس طرح زینت کے ابدار اور ستر کے مختلف مواضع کے اظہار کی ممانعت کی ہے اسی طرح چہرہ کے چھپانے سے متعلق بھی صریح نص موجود ہے۔ یا ایھا النبی قل لازواجك وبناتك و نساء المومنین یدنین علیھن من جلابیبھن۔ اور اس وسعت اور اہتمام کے ساتھ کہ اے نبی اپنی بیویوں، اپنی لڑکیوں اور تمام مسلمانوں کی عورتوں کو یہ حکم دیدو۔ اس حکم میں قطعیت اور احکام کا پورا زور پیدا کرنے کے لیے کس شے کی کمی رہ گئی ہے؟ اور ستر و اخفائے زینت سے متعلق احکام میں وہ کن صورتوں میں موجود ہے! اسکے متعلق قرآن میں نص صریح ہے، احادیث میں اسکے لیے امر و تاکید ہے، آٹھویں صدی تک کے مسلمانوں کا مجمع علیہ تفقہ اسکے متعلق آپ ہی نے نقل فرمایا ہے۔ یہاں تک کہ "حالت احرام میں" باوجود ممانعت، ازواج مطہرات اور عام خواتین اسلام اپنے چہرہ کو چھپاتی تھیں، جسکے ثبوت میں حضرت عائشہ اور فاطمہ بنت منذر رضی اللہ عنہما کی روایتیں خود آپکے مضمون میں موجود ہیں۔ اخفائے زینت اور ستر پوشی کے احکام میں اس سے زیادہ اور کیا ہے؟[1]

---

[1] یہاں پھر مجھے یہ عرض کرنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ احکام کو سمجھنے کے لیے صرف الفاظ کا علم کافی نہیں ہے بلکہ اسکے ساتھ (بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۸۱ پر دیکھیے)

دوسری بات آپ نے اس سے بھی عجیب تر کہدی ہے کہ "عورتوں کے لیے عام قاعدہ یہ مقرر کیا گیا ہے کہ چہرے پر نقاب یا گھونگھٹ ڈالے رہیں۔ اس قاعدہ میں الا ما ظہر منہا کے استثنار سے یہ آسانی پیدا کردی گئی ہے کہ حقیقت میں جب چہرہ کھولنے کی ضرورت پیش آجائے تو وہ اسکو کھول سکتی ہیں بشرطیکہ نمائش حسن مقصود نہ ہو۔"

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۸۰: ۔ تفقہ کی بھی ضرورت ہے۔ ایک فقیہ اس بات کو اچھی طرح سمجھ سکتا ہے کہ ستر اور حجاب میں کیا فرق ہے اور اخفائے زینت اور ستر وجوہ کے درمیان کیا تفاوت ہے۔ ستر وہ چیز ہے جسکو شوہر کے سوا کسی کے سامنے بھی ظاہر کرنا جائز نہیں۔ مگر چہرے اور ہاتھ کی یہ نوعیت نہیں ہے، وہ محرموں کے سامنے کھلا رکھا جاتا ہے۔ معلوم ہوا کہ ستر کی اہمیت زیادہ ہے۔ اب زینت کو لیجیے بن سنور کر غیروں کے سامنے آنا کسی حال میں بھی حقیقی ضرورت کی تعریف میں نہیں آسکتا۔ یہ صرف فاجرانہ ذہنیت ہی کا نتیجہ ہو سکتا ہے۔ لہذا اسکے لیے نہی کے الفاظ استعمال فرمائے گئے (لا یبدین زینتھن الخ)، اور ہر شخص جو فقہ سے ذرا سا لگاؤ بھی رکھتا ہو، اس بات کو جانتا ہے کہ نہی بہ نسبت امر کے شدید تر چیز ہے۔ بخلاف اسکے عملی زندگی میں بسا اوقات چہرہ کھولنے کی حقیقی ضرورت پیش آسکتی ہے۔ خدا کا قانون صرف خوشحال عورتوں ہی کے لیے نہیں ہے مصیبت زدہ، بے کس اور غریب طبقہ کی عورتوں کے لیے بھی ہے۔ وہ ان ماماؤں کے لیے بھی ہے جو دوسروں کے گھروں میں خدمت کرنے پر مجبور ہیں، ان مزدورنیوں کے لیے بھی ہے جو ہاتھ پاؤں کی محنت کرکے پیٹ پالنے پر مجبور ہیں، ان غریبوں کی بیویوں اور بیٹیوں کے لیے بھی ہے جنکو سر چھپانے کے لیے کوئی ٹھکانا میسر نہیں ہوتا اور جو کسی درخت کے سایہ ہی میں پڑ رہتے ہیں۔ ایسی عورتیں کہاں ہر وقت منہ چھپائے رہ سکتی ہیں؟ انہیں منہ کھولنے کی حقیقی ضرورت پیش آتی ہی ہے۔ اسی لیے شارع حکیم نے چہرے کے باب میں نہی کے الفاظ کے ساتھ حکم نہیں دیا۔ یہ نہیں فرمایا کہ چہرہ نہ کھولو، بلکہ امر کے الفاظ (یدنین علیھن الخ) استعمال کیے۔ اس سے یہ بات صاف مترشح ہوتی ہے کہ اس معاملہ میں عام قاعدہ تو ستر و اخفا ہی کا ہے، حقیقی ضرورت پیش نہ ہو تو چھپانا لازم ہے، لیکن حقیقی ضرورت ہو تو ایک مومن عورت جو بدنیت نہیں ہے، خدا کا خوف رکھتی ہے، اپنے چہرے کے حسن کی نمائش اور غیر مردوں سے آنکھیں لڑانے کی خواہشمند نہیں ہے، اپنی ضرورت رفع کرنے کی حد تک کھول سکتی ہے، اور اس صورت میں مومن مردوں کا فرض ہے کہ غض بصر کریں۔ اسکی مثال میرے اپنے گھر میں موجود ہے۔ میرے ہاں جو حلال خوری ملازم ہے وہ ہمیشہ چہرے پر گھونگھٹ ڈال کر کام کرتی ہے۔ مگر بارہا اس بیچاری کو جبر

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۸۲ پر دیکھیے)

یہ آپنے کہاں سے لکھدیا کہ چہرہ پر گھونگٹ یا نقاب کے عام قاعدہ میں الا ما ظہر منہا کے استثنا سے آسانی پیدا کر دی گئی ہے۔ نقاب یا گھونگھٹ والی آیت سورۂ احزاب میں یوں ہے۔

یاایھا النبی قل لازواجك وبناتك و نساء المومنین یدنین علیھن من جلابیبھن ذالك ادنی ان یعرفن فلا یوذین۔

اے پیغمبر اپنی بیویوں، اپنی بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہدو کہ اپنی چادروں کے گھونگھٹ نکال لیا کریں۔ اس سے اقرب ہے کہ پہچان لی جائیں اور چھیڑی نہ جائیں۔

اس آیت میں جو حکم ہے وہ بالکل مطلق اور عام ہے۔ اس میں نہ تو کوئی قید ہے نہ استثناء۔ الا ما ظہر منہا والا استثنار سورہ نور والی آیت میں ہے جو ابداء زینت سے متعلق ہے۔ ولا یبدین زینتھن الا ما ظہر منہا۔ اسکو احزاب کی آیت سے دور قریب کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ پھر یہ کتنی عجیب بات ہے کہ مستثنیٰ منہ تو سورہ احزاب میں ہو اور مستثنیٰ سورہ نور میں۔ کشتی در چین و ملاح در فرنگ کی اس سے زیادہ دلچسپ مثال اور کیا ہو سکتی ہے۔ معاف فرمایئے گا، اگر مسائل فقہیہ کے استنباط و اجتہاد کی یہ انوکھی راہ باز ہو گئی تو اسکے نتائج نہایت خوفناک ہونگے۔

اور تھوڑی دیر کے لیے اگر آپ کے اس طفرہ کو ممکن بھی فرض کر لیا جائے اور سورہ نور کے الا ما ظہر کو سورہ احزاب کی آیت کے ساتھ جوڑ بھی دیا جائے جب بھی وہ مطلب کسی طرح نہیں نکل سکتا جو آپ نکالنا چاہتے

بقیہ حاشیہ صہ ۲۸۱ ہے گھونگھٹ اٹھانا پڑتا ہے، اور میں ہمیشہ ایسے موقع پر غض بصر کرتا ہوں۔ اس کو میرے ہاں کام کرتے کئی مہینے ہو گئے ہیں، مگر آج تک میں نے اسکی صورت نہیں دیکھی حتیٰ کہ اگر کہیں گھر سے باہر مجھے اس کو دیکھنے کا اتفاق ہو تو میں اسے پہچان نہیں سکتا۔

میں نے ہر موقع پر "حقیقی ضرورت" کے الفاظ استعمال کیے ہیں، اور اسکی تصریح بھی اپنی کتاب میں کر چکا ہوں کہ حقیقی ضرورت سے مراد پارک میں ٹہلنے، یا سینما دیکھنے یا بازار میں شاپنگ کرنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ اس سے مراد وہ ضرورت ہے جو ایک حاجتمند عورت کو فی الواقع اپنی زندگی بسر کرنے کے لیے پیش آتی ہے جسکی چند مثالیں میں نے اوپر بیان کی ہیں۔ ا- م

ہیں۔ اس صورت میں آپکے خیال کے مطابق آیت یوں ہو گی۔ یا ایھا النبی قل لازواجك وبناتك
ونساء المومنین یدنین علیھن من جلابیبھن الا ما ظھر منھا۔ اے پیغمبر اپنی بیویوں اور
بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہدو کہ اپنے چہروں پر اپنی چادروں کا ایک حصہ ڈال لیا کریں مگر جو حصہ
اس میں سے ظاہر ہو جائے۔ یہاں ھا کی ضمیر سے متعلق جو نحوی تشقیقات پیدا ہو نگی میں اُن سے غض بصر کرتا ہوں اور
آپکے ساتھ زیادہ سے زیادہ مسامحت کے لیے تیار ہوں لیکن غور فرمایئے کہ اس صورت میں بھی اسکا مطلب کیا
ہوگا؟ ہر شخص جانتا ہے کہ اسکا مطلب یہ ہوگا کہ عورتیں اپنی چادروں سے اپنے چہروں پر گھونگھٹ ڈال لیا کریں
اور اس احتیاط کے باوجود بھی اگر چہرہ کا کوئی حصہ اتفاق سے کہیں جھلک گیا یا کھلا رہ گیا تو وہ چنداں قابل
اعتراض نہیں۔ اس سے یہ آسانی کہاں سے پیدا ہوئی کہ اگر حقیقت میں چہرہ کھولنے کی ضرورت پیش آجائے
تو عورتیں اس کو کھول سکتی ہے؟ چہرہ کا کوئی حصہ اتفاق سے کھلا رہجانا اور چیز ہے اور اسکو بلحاظ ضرورت
کھولنا اور چیز ہے۔ ان دونوں کا نمایاں فرق آپ جیسے آدمی سے مخفی نہیں رہنا چاہیے اور میں پورے اطمینان
کے ساتھ یہ کہتا ہوں کہ الا ما ظھر منھا کا یہ مطلب جو آپنے لیا ہے کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا۔

آخر میں آپنے جو بات لکھی ہے، وہ پچھلے تمام عجائب پر بازی لے گئی ہے۔ آپ فرماتے ہیں "یہ پھر دوسری
جانب سے فتنہ انگیزی کے جو خطرات تھے ان کا سدباب اس طرح کیا گیا کہ مردوں کو غض بصر کا حکم دیدیا گیا تاکہ
اگر کوئی عفت مآب عورت اپنی حاجت کیلیے چہرہ کھولے تو وہ اپنی نظریں نیچی کرلیں اور بیہودگی کے ساتھ اس کو
گھورنے سے باز رہیں" آپنے پہلے تو یہ کیا کہ سورۂ نور کا مستثنیٰ کاٹ کر لائے اور اس کا قلم سورہ احزاب
میں پیوند کیا۔ لیکن اسکے بعد بھی جب بات نہیں بنی تو سورہ نور کی آیت کے تمام بخیے اُدھیڑ ڈالے۔ سورہ
نور کی آیت کی آسمانی ترتیب یوں ہے۔

قل للمومنین یغضوا من ابصارھم ویحفظوا فروجھم ذلك ازکی لھم ان اللہ خبیر بما
یصنعون۔ وقل للمومنات یغضضن من ابصارھن ویحفظن فروجھن ولا یبدین زینتھن الا

ماظہر منہا۔ لیکن آپ آیت کی ترتیب یوں کر دیتے ہیں ولا یبدین زینتھن الا ماظہر منہا (فان ظہر منہا شیٔ) فقل للمومنین یغضوا من ابصارہم یعنی بے تکلف اصلی حکم کو فرع اور مقدم کو موخر کر دیتے ہیں۔ اگر اپنے نظریات کو ثابت کرنے کے لیے اس طرح آیات کی قلب ماہیت اور قرآن کی اصلاح جائز ہے تو دنیا کی کوئی غلط سے غلط بات بھی ثابت ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی۔ میں حیران ہوں کہ آپ کا دل اس بیدردانہ تصرف پر راضی کیسے ہوا اور دماغ اس پر مطمئن کیسے ہوگیا!![1]

[1] معاف کیجیے گا، آپکی یہ ساری بحث پڑھ کر بے اختیار کہنا پڑتا ہے کہ "شعر مرا بمدرسہ کہ برد" زندگی کے حقیقی مسائل اور ان کے ساتھ احکام شریعت کے ربط و تعلق کو نظر انداز کر کے جب لوگ عبارات احکام کی لغوی اور صرفی و نحوی اناٹومی میں منہمک ہوجاتے ہیں تو اصول قانون اور روح قانون سے وہی بیگانگی رونما ہوتی ہے جسکا ثبوت آپنے اپنی اس بحث میں پیش کیا ہے۔ آپنے یہاں تین اعتراضات بیان فرمائے ہیں: (۱) سورۂ نور اور سورۂ احزاب میں جو احکام الگ الگ بیان ہوئے ہیں انکو ملا کر تونے ایک کر دیا۔ (۲) الا ماظہر کا استثنا جو ابداء زینت کی نہی سے متعلق تھا اسے ادنائے جلباب کے امر سے متعلق کر دیا اور پھر غض بصر کے حکم کو یہاں لاکر چسپاں کیا۔ (۳) الا ماظہر منہا میں خود بخود ظاہر ہوجانے والی زینت کے ظہور کو معاف کیا گیا تھا، مگر تونے اس سے بضرورت چہرہ کھولنے کی اجازت نکال لی۔ آپکو ان تینوں باتوں پر سخت تعجب ہے مگر مجھے آپ کے تعجب پر تعجب ہے۔

پہلے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ جو احکام زندگی کے کسی ایک شعبہ یا معاملہ سے تعلق رکھتے ہوں، خواہ وہ کتنے ہی مختلف مقامات میں پھیلے ہوئے ہوں، قانون مرتب کرنے کیلیے ہمیں ان سب کو ملا کر ایک مجموعہ بنانا پڑیگا۔ مثال کے طور پر دیکھیے سورۂ نساء میں بیاہی ہوئی عورتوں سے نکاح حرام قرار دیتے ہوئے صرف ان عورتوں کو مستثنیٰ کیا گیا ہے جو جنگ میں پکڑی ہوئی آئیں۔ اسکے معنی یہ ہیں کہ اور سب قسم کی محصنات حرام ہیں۔ لیکن ۵۵ سورتوں کے بعد سورۂ ممتحنہ میں ارشاد ہوتا ہے کہ مسلمان ان عورتوں سے بھی نکاح کر سکتے ہیں جو اپنے کافر شوہروں کو چھوڑ کر دار الکفر سے دار الاسلام میں آجائیں۔ ایک فقیہ جب قانون مرتب کرنے بیٹھے گا تو اسے ان دونوں آیتوں کو یکجا کرنا ہوگا، اگر آپ پہلے تو اس پر کشتی درچین و ملاح درفرنگ کی پھبتی کسینگے اور پھر شاید آپکا دوسرا اعتراض یہ ہوگا کہ قرآن نے تو صرف الا ماملکت ایمانکم کہا تھا اور تم اس پر

(بقیہ حاشیہ ص ۲۸۵ پر دیکھیے)

پھر یہ غور فرمائیے کہ عورت کا چہرہ کھولنے کے تمام ضروری اور ناگزیر مواقع، جو آپ نے بیان فرمائے ہیں، ایسے ہیں جن میں اسکے چہرہ کو نہ صرف آپ نے دیکھنے کی اجازت دی ہے بلکہ اس پر تفصیلی نگاہ ڈالنے کا فتویٰ دیدیا ہے۔ مثلاً کوئی عورت کسی طبیب کے زیر علاج ہو، یا کسی مقدمہ میں قاضی کے سامنے بحیثیت گواہ یا بحیثیت فریق پیش ہو، یا اس کا منگیتر دیکھنا چاہے۔ اگر ان مواقع میں کسی عفت مآب نے حقیقی ضرورت سے چہرہ بے نقاب

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۸۴:۔ والمومنٰت المنجبٰرات کا فقرہ اپنی طرف سے اضافہ کر رہے ہو۔

دوسرے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ میں اصحابِ ظواہر کا پیرو نہیں ہوں کہ ایک حکم جن الفاظ کے ساتھ ایک خاص موقع پر آیا ہو اسکو اور اسکے الفاظ کو صرف اسی موقع کے لیے مخصوص سمجھوں۔ میرے نزدیک قیاس فی الشرع جائز ہے۔ میں حکم کی علت سمجھنے کی کوشش کرونگا اور جب علت میری سمجھ میں آجائیگی تو جہاں جہاں وہ علت پائی جائیگی وہاں حکم کی روح کو ملحوظ رکھتے ہوئے اسے جاری کرونگا۔ میری رائے یہ ہے کہ ابدارِ زینت سے منع کرنیکی وجہ محض اس کا موجبِ فتنہ ہونا ہے اور ادنائے جلباب کا حکم بھی اسی لیے دیا گیا ہے کہ چہرہ کھولنا فتنہ کا موجب ہے۔ اب اگر خود ظاہر ہو جانے کو پہلی صورت میں قابلِ معافی قرار دیا گیا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ دوسری صورت میں بھی وہ قابلِ معافی نہ ہو۔

تیسرے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ میں اپنی نظر الا ما ظہر منہا کے الفاظ تک ہی محدود نہیں رکھتا بلکہ اسکی حکمت بھی سمجھنے کی کوشش کرتا ہوں۔ غور طلب سوال یہ ہے کہ ایک فتنہ انگیز چیز کے خود ظاہر ہونے کو آخر کیوں گوارا کر لیا گیا ہے؟ میرے نزدیک اسکی دو ہی وجہیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ زینت کے خود ظاہر ہونے میں عورت کی طرف سے اظہارِ زینت کی خواہش نہیں ہوتی اسلیے وہ بری الذمہ ہے۔ دوسرے یہ کہ اس صورت میں عدمِ اختیار پایا جاتا ہے جو قابلِ معافی ہے۔ یہی دو وجہیں مجھے اس صورت میں بھی نظر آتی ہیں جبکہ ایک عورت اپنی ضروریاتِ زندگی کیلیے گھر سے باہر کام کرنے پر مجبور ہو اور اپنے کام کے سلسلے میں کسی وقت اسکو مجبوراً چہرہ کھولنا پڑے۔ اگر ایسی حالت میں وہ رفعِ ضرورت کیلیے، نہ کہ اپنی شکل دکھانے کی خاطر، مجبوراً چہرہ کھولتی ہے تو میرے نزدیک وہ اسی طرح قابلِ معافی ہے جس طرح زینت کے خود ظاہر ہونے کی صورت میں ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ غضِ بصر کا حکم جن مواقع کیلیے دیا گیا ہے ان میں سے ایک موقع یہ بھی ہے۔ لیکن اگر آپ اس سے اختلاف رکھتے ہیں تو آپکو اختیار ہے کہ ایسی صورت جب پیش آئے تو غضِ بصر نہ کریں۔ ا۔م

کیا اور ڈاکٹر یا قاضی یا امیدوار نکاح نے بفحوائے یغضوا من ابصارھم نگاہیں نیچی کرلیں تو اس جلوہ نمائی کا فائدہ کیا؟ وہ تو اصل مقصد ہی فوت ہوگیا! اسکے علاوہ حقیقی ضرورت کی کوئی اور مثال آپ نے پیش نہیں کی ہے اس لیے نہیں کہا جا سکتا کہ اس میں آپ کا یہ فتوئی غضِ بصر چلے گا یا نہیں -

اصل یہ ہے کہ سورۂ نور اور سورۂ احزاب کی آیتوں میں پردے سے متعلق آپ نے جو احکام پائے ان میں آپ کو ایک قسم کا تخالف نظر آیا۔ سورۂ نور میں مردوں اور عورتوں دونوں کے لیے غضِ بصر اور عدم ابدار زینت کا حکم ہے اور احزاب میں صاف صاف گھروں کے اندر خلوت گزیں رہنے اور باہر نکلتے وقت نقاب اور گھونگھٹ نکال لینے کا حکم ہے۔ علاوہ ازیں سورۂ نور میں ابدار زینت کی ممانعت کے ساتھ الا ما ظہر منھا کا استثنا بھی تھا جس سے بعض مفسروں اور حنفی مجتہدوں نے چہرہ اور ہاتھ مراد لیا ہے اور سورۂ احزاب اس قسم کے قیود و مستثنیات سے خالی تھی ان کے علاوہ بعض اور مخصوصات بھی تھے مثلاً سورۂ نور میں صرف ضرب خمار ہے اور احزاب میں ادنائے جلباب۔ مگر اس سے آپ نے تعرض نہ کیا۔ اب ان مضطرب اور بظاہر متضاد باتوں میں آپکو تطبیق دینی تھی۔ پہلی مشکل یہ سامنے آئی کہ غضِ بصر اور نقاب ایک ساتھ نہیں چل سکتے تھے۔ نقاب اور گھونگھٹ کی موجودگی میں غضِ بصر بالکل غیر ضروری ہے۔ پھر دوسری مشکل یہ پیش آئی کہ الا ما ظہر منہا کی رو سے چہرہ (حسب تحقیق علمائے احناف) کھولا جا سکتا تھا اور حکم ادنائے جلابیب اس سے مانع تھا۔ ان ساری مشکلوں کو آپ نے یوں حل کیا کہ سورۂ احزاب کے ادنائے جلابیب کو آپ نے عورت کے لیے اصلی قاعدہ ٹھیرایا اور سورۂ نور کے الا ما ظہر منہا کو اس کے اصلی مستثنیٰ منہ سے کاٹ کر لائے اور اس میں پیوند کرکے اسکو عند الضرورت چہرہ کھولنے سے متعلق قرار دیا۔ رہ گیا غضِ بصر کا حکم سو وہ حکم حجاب اور عند الضرورت چہرہ کھولنے کی اجازت کے ساتھ کچھ غیر ضروری سا ہو رہا تھا تو آپ نے یہ پٹی ان آنکھوں پر باندھ دی جن سے اندیشہ تھا کہ صنف نازک اتین کو گھور گھور کر دیکھینگی۔ باقی رہ گیا ضرب خمار کا معاملہ یا عورتوں کیلیے غضِ بصر کا حکم تو انکا نہ تو کوئی موزوں محل معلوم ہوا اور نہ آپکو ان سے تعرض کی چنداں ضرورت تھی۔ توفیق مختلفات کی اس عجیب و غریب محنت پر میں آپکو داد دیتا ہوں لیکن نتیجہ بحث نہ تو میں متفق ہوں اور نہ اس پر آپکو مبارک باد دے سکتا ہے[1]

---

[1] توفیق مختلفات اور تطبیق متعارضات اہل مدرسہ کے مشاغل ہیں اور اپنی کے مذاق بحث سے یہ چیز مناسبت رکھتی ہے۔ (بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۸۷ پر دیکھیے)

آپ نے الّا ما ظہر منہا کے ٹکڑے پر محض بعض مفسرین اور صاحب احکام القرآن وغیرہ کے اقوال کی روشنی میں غور کیا۔ خود اپنے طور پر اسکے سیاق و سباق اور الفاظ و تالیف کی روشنی میں شائد غور نہیں فرمایا۔ ورنہ ایک بالکل غلط عمارت کی تعمیر میں آپ کی یہ ساری جد وجہد ضائع نہ جاتی۔ الّا ما ظہر منہا مستثنیٰ ہے۔ اس کا مستثنیٰ منہ زینتھن ہے۔ زینت اور سامانِ زینت میں سے جو چیز علحدہ کی جائیگی وہ زینت اور سامانِ زینت کے قبیل سے ہوگی۔ ہاتھ اور چہرہ کیسے ہو سکتی ہے۔ چہرہ زینت نہیں ہے۔ وہ اعلیٰ ترین اور اشرف ترین حصہ جسم ہے۔ اسکو موضع زینت (جیسا کہ ابوبکر جصاص نے نکتہ آرائی فرمائی ہے) کی حیثیت سے بھی چنداں اہمیت حاصل نہیں۔ وہ اپنی جمال آرائیوں کے لیے زیب و زینت کا محتاج کب ہے!

بآب و رنگ و خال و خط چہ حاجت روئے زیبا را

اس بارہ میں صحیح مذہب وہی ابن مسعود اور حسن بصری رحمہما اللہ کا ہو سکتا ہے یعنی اس سے زینت لباس ظاہر مراد ہے۔ اس مذہب پر صاحب احکام القرآن نے جو ایراد کیا ہے وہ بالکل بے بنیاد ہے۔ وہ فرماتے ہیں وقول ابن مسعود فی ان ما ظھر منھا ھو الثیاب لا معنی له لانه معلوم انه ذکر الزینة والمراد العضو الذی علیه الزینة، الا تری ان ما سائر ما تتزین به من الحلی ۔ ۔ ۔ ۔ یجوز ان تظھر للرجال اذا لم تکن ھی لابسها۔ ابن مسعود جو اس سے زینت لباس ظاہر مراد لیتے ہیں، یہ بالکل بے معنی بات ہے۔ ہر چند استعمال لفظ زینت

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۸۶ :- میرے سوچنے کا انداز یہ نہیں ہے۔ میں جب ایک طرف زندگی کے عملی مسائل کو اور دوسری طرف قانون کے احکام کو رکھکر دیکھتا ہوں تو مجھے احکام میں کوئی تعارض نظر نہیں آتا کہ تطبیق کی کوشش کروں بلکہ مجھے ایک ایک عملی پہلو پر ایک ایک حکم صاف منطبق ہوتا نظر آتا ہے۔ تعارض اگر ہے تو احکام میں نہیں بلکہ ہماری اپنی زندگی کے مختلف حالات میں ہے اور شارع نے صرف اتنا کیا ہے کہ تمام حالات میں انسان کو ایک ہی لکڑی سے نہیں ہانکا۔ ا - م

ہوا ہے لیکن مراد اس سے وہ عضو ہے جس پر زینت ہوتی ہے۔ کیونکہ محض زینت دکھانے کی ممانعت کیوں ہوگی؟ اگر زیور عورت کے جسم پر نہ ہو تو وہ بے تکلف ہر مرد کو دکھا سکتی ہے"۔ لیکن ان نیک آدمی سے کوئی پوچھے کہ اسی آیت میں لیعلم ما یخفین من زینتھن میں زینت سے کیا مراد ہے؟ کیا پاؤں؟ اگر پاؤں مراد ہیں تو کیا ولا یضربن بارجلھن لیعلم ما یخفین من زینتھن کے معنی یہ ہوں گے کہ عورتیں اپنے پاؤں زمین پر نہ ماریں کہ جو پاؤں وہ چھپائے ہوئے ہیں وہ ظاہر ہوں۔ کیا ابن مسعود رحمہ اللہ کی بات اگر بے معنی ہے تو قاضی صاحب کا یہ ارشاد کچھ بامعنی ہے[۱]!

پھر یہ کس درجہ عجیب بات ہے کہ حکم یہ دیا جائے کہ مرد اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور عورتیں اپنی نگاہیں نیچی رکھیں، اور پھر اسی سے بالکل متصل یہ حکم دیا جائے کہ عورتیں اپنی زینت ظاہر نہ کریں، الا ما ظھر منہا

[۱] یہ تو بڑا ہی کمزور استدلال ہے۔ ایسا کمزور استدلال پیش کر کے تو قاضی ابوبکر کے بجائے خود آپ ہی "نیک آدمی" ثابت ہوتے ہیں۔ آپ نے قاضی ابوبکر کی بات کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی اسلیے اعتراض بھی بغیر سمجھے بوجھے کر دیا۔ قاضی صاحب کا منشا یہ ہے کہ اظہار زینت کی ممانعت سے مقصود صنفی تحریک کو روکنا ہے، اور صنفی تحریک بجائے خود اُس سامان سے نہیں ہوتی جو زینت کے لیے استعمال کیا جاتا ہے بلکہ اس حالت میں ہوتی ہے جبکہ عورت اس سے مزین ہو۔ زیور یا خوش نما لباس اگر عورت کے جسم پر نہ ہو تو اسے دیکھ کر کسی کے جذبات بھی حرکت میں نہ آئینگے۔ لہذا شارع نے اظہار زینت کی جو ممانعت کی ہے اس سے مقصود نفس زینت کا اظہار نہیں بلکہ اس جسم یا حصۂ جسم کا اظہار ہے جو زینت سے مزین ہو۔ پھر اگر الا ما ظھر منہا کا استثناء آراستہ و مزین ہونے کی حالت سے تعلق رکھتا ہے تو غیر مزین ہونے کی حالت میں محض سادہ جسم سے تو وہ بدرجۂ اولیٰ متعلق ہوگا۔ رہی آیت ولا یضربن بارجلھن الخ جسے آپ نے اعتراضاً پیش فرمایا ہے تو اس میں بھی حکم امتناعی کا مرجع بجائے خود پازیب، جھانجن اور چوڑیوں کا وجود نہیں ہے بلکہ خود عورت کا وجود ہے جو ان چیزوں کو پہنے ہوئے ہو۔ ظاہر ہے کہ ان چیزوں کی آواز صرف اسی صورت میں محرک جذبات ہوتی ہے جبکہ کوئی عورت انہیں پہنے ہوئے چل رہی ہو، ورنہ بجائے خود ان چیزوں کی جھنکار میں کوئی شے موجب تحریک نہیں ہے۔ پس شارع کا منشا لیعلم ما یخفین من زینتھن کہنے سے یہ نہیں ہے کہ زمین پر پاؤں مارنے سے پازیب وغیرہ کے موجود ہونے کا علم ہو جائیگا، بلکہ مدعا یہ ہے کہ اس آواز کو سن کر پازیب والی کی طرف توجہات منعطف ہونگی اور سامعہ کے ذریعہ سے وہی اثرات مترتب ہونگے جو باصرہ کے ذریعہ سے عورت کو مزین دیکھ کر ہوتے۔ ا۔م

"مگر جو ظاہر ہو جائے"، اور ابوبکر جصاص اور ان کے اصحاب الّا ما ظہر منہا سے چہرہ اور ہاتھ کو مراد لے لیں۔ اگر چہرہ اور ہاتھ مستثنیٰ ہیں تو نگاہیں نیچی کرنے کی ضرورت! غضِ بصر کا اصلی مقصود تو یہی ہو سکتا ہے کہ اجنبی نگاہیں چہروں سے ہٹ جائیں اور چہرہ ہی کو ان حضرات نے مستثنیٰ کر لیا۔

مقصد کے اعتبار سے بھی آپ کا مضمون کچھ بے فائدہ معلوم ہوتا ہے۔ جن "تجدد نوازوں" یا "یرقان زدہ" کے مریضوں کو آپ نے اس میں مخاطب کیا ہے ان کے لیے آپ کی تمام حصار بندیوں کے باوجود کافی وسعت باقی ہے۔ ہندوستان کے تجدد نواز آپ کے اس فتوے پر قانع ہو جائیں گے کہ عند الضرورت چہرہ کھولنے کے باب میں شارع نے کوئی قطعی حکم نہیں دیا ہے۔ اس معاملہ میں تمام تر قاضی و مفتی خود عورت ہے۔ آپ نے اس منزل تک انکو پہنچا دیا۔ اب جو قبا میں چند بند رہ گئے ہیں ان کا فیصلہ انشاء اللہ زمانہ کی بڑھتی ہوئی ضروریات کی کشاکش اور نسوانی فقاہت کی مقراضِ تیز کر دے گی۔[1]

---

[1] کسی شخص کو ماخوذ کرنے کا یہ عجیب طریقہ ہے کہ اگر اسکی عبارت میں ثبوت جرم کی کافی گنجائش نہ ہو تو قطع و برید کر کے عبارت کو فرد قرار داد جرم کے مطابق ڈھال لیا جائے۔ فاضل تنقید نگار نے دو جگہ مجھ پر یہ الزام عائد کیا ہے کہ میں استثنائی صورتوں میں مطلق عورت کو قاضی و مفتی قرار دیتا ہوں۔ حالانکہ خود انہوں نے میری عبارات سے جو فقرے نقل کیے ہیں ان میں یہ الفاظ موجود ہیں: "ایک مومن عورت جو خدا اور رسول کے احکام کی سچے دل سے پابند رہنا چاہتی ہے اور جس کو فتنہ میں مبتلا ہونا منظور نہیں ہے۔" مطلق عورت اور مومن عورت میں جو عظیم الشان فرق ہے ایک صاحب علم آدمی اس سے بے خبر نہیں ہو سکتا۔ مگر اس قید کو اطلاق سے بدل ڈالنا شاید اسلیے ضروری سمجھا گیا کہ اس تحریف کے بغیر الزام ثابت نہ ہو سکتا تھا۔

رہا یہ اندیشہ کہ بہانہ طلب منافقین میری تعبیر قانون سے ناجائز فائدہ اٹھائیں گے، تو میں اسکو قابل التفات نہیں سمجھتا۔ منافق کے لیے کون دروازہ بند کر سکتا ہے؟ وہ اس کا محتاج کب ہے کہ میں یا آپ یا کوئی اور شخص اسکے لیے راستہ کھولے۔ اسکے لیے تو ساری شریعت گنجائشوں سے بھری پڑی ہے۔ جدھر سے چاہے نکل بھاگے۔ وہ چاہے تو تمام عمر زکاۃ نہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۹۰ پر دیکھیے)

یہ عریضہ میں نے محض اس اضطراب کی طرف اشارہ کرنے کے لیے لکھا ہے جو آپ کے مضمون میں موجود ہے۔ باقی رہی اصل مسئلہ کی تحقیق، سورۂ احزاب اور سورۂ نور کے احکام کی تطبیق و توفیق اور ان کے موقع و محل کی تعیین، قرآن مجید کی روشنی میں اسلامی پردہ کی نوعیت تو ان سوالات پر انشاءاللہ ایک مضمون ترجمان کے لیے جلد لکھوں گا۔ کوئی فقرہ قلم سے تیز نکل گیا ہو تو اسکی معافی چاہتا ہوں۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۸۹: دے، کبھی حج نہ کرے، کبھی روزہ نہ رکھے، ہر رات ایک نئی عورت سے نکاح کرے اور صبح طلاق دیدے۔ شریعت کی کونسی حد ہے جس سے نکلنے کا راستہ وہ نہ پا سکتا ہو؟ شریعت کا قانون دراصل اسکے لیے بنایا ہی نہیں گیا ہے۔ یہ تو صرف مومنوں کے لیے بنایا گیا ہے، اور اسی لیے منافقین کے واسطے اس میں ہر طرف راہِ فرار موجود ہے۔ اگر ہم قانون کی تعبیر کرتے ہوئے اس خوف کو پیش نظر رکھیں کہ کہیں منافق کو اس میں سے نکل بھاگنے کا راستہ نہ مل جائے، تو اسکے معنی یہ ہونگے کہ ہم اپنی طرف سے قانون میں ان بندشوں کا اضافہ کریں جو شارع نے نہیں رکھی ہیں۔ اور یہ شریعت کی تعبیر نہیں تحریف ہوگی۔ ا - م